اسلامی اور مغربی تمدن میں بنیادی فرق

The Basic Difference between Islamic & Western Civilizations

Hassan Raza Naqvi

Abstract:

Being Muslims, we need to creat some fundamental changes in social sciences in order to lay the foundation of the Islamic culture & civilization. Unfortunately, we seriously lack the academic institutions and thinkers who may provide the foundations of Islamic civilization on the basis of divinely inspired human and social sciences. In fact, this task needs a team work and a few scattered individuals can not do this. Only a group of scholars can perform this duty who believe that they can alter the foundations of those sciences that are founded on material theories and thoughts. They also must have the capability and courage to do so. Along with this, they also need to study the works done by western scholars in social sciences. This article is an individual effort in this direction to encourage other research scholars to do their best for the foundation of Islamic civilization.

Key words: *Civilization, Islam, Sciences, West, Culture.*

خلاصہ

مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں سماجی علوم میں ایسی اساسی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے جن کے نتیجے میں اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی جاسکے۔ جبکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے پاس ایسی درسگاہوں اور مفکرین کی بہت زیادہ کمی ہے یہ کام کرسکیں۔اِس موضوع پر ایسے مفکرین کام کر سکتے ہیں جنہیں یہ یقین ہو کہ وہ مادی نظریات وافکار کی اساس پر مبنی سماجی علوم میں اساسی تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ نیز ان کے اندر یہ کام انجام دینے کی صلاحیت اور ہمت بھی ہو۔اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے وہ دیگر ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کے علمی، فکری اور تحقیقی کاموں سے بھی خود کو بے نیاز نہ سمجھیں۔ مقالہ ہذا میں اسی ہدف کے تحت ایک انفرادی کام پیش کیا گیا ہے۔اس امید پر کہ دیگر محققین کو بھی جہت ملے اور وہ پوری تن دہی سے اسلامی تمدن کی تشکیل کے لئے کام کریں۔

کلیدی کلمات: تمدن، اسلام، علوم، مغرب، تمدن۔

مقدمہ

مغربی ماڈرن دنیامیں تیزی کے ساتھ وسیع سطح پر ہونے والی مختلف تبدیلیوں نے گذشتہ چند صدیوں میں مغربی دنیا کو ممتاز بنا دیا ہے۔ علم و ٹیکنالوجی میں مغربی پیشرفت اس بات کا سبب بنی ہے کہ انسان نے مادی دنیا سے بہت آسان اور جدید طریقوں سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مغربی تمدن نے مادی دنیا پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرکے بہت دقیق اور جدید ٹیکنالوجی کے وجود کے ذریعے موجودہ زمانے کو گذشتہ زمانے سے جدا کرکے رکھ دیا ہے کہ گویا آج کا جدید انسان ایک نئی قسم کا انسان ہے جو گذشتہ انسانوں سے کاملا جدا ہے۔اور اِس پیشرفت کے ذریعے انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ دنیا کو یہ باور کروائیں کہ ہم خدا کے وجود کے بغیر بھی عالم طبیعت سے جتنا زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے اس پیشرفت و ٹیکنالوجی کی اسلامی ممالک میں آمد نے بعض اسلامی مفکرین کو بھی تحتِ تاثیر قرار دیا ہے یہاں تک کہ ان مفکرین کا یہ اعتقاد بن چکا ہے کہ انسانی ترقی و کمال کا تنہا راستہ وہی ہے جو اہلِ مغرب نے اپنا کر ماڈرن دنیا تشکیل دی ہے۔ جدید مغربی تمدن نے اپنی ٹیکنالوجی کے زور پر متکبر انداز میں اپنی ثقافت کو دوسرے ممالک میں ٹھونسنے کی کوشش کی ہے تاکہ دوسرے ممالک کی ثقافتوں کو کمزور کرکے وہاں اپنی جدید ثقافت رائج کریں اور اس کے لئے انہوں نے مختلف اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی طریقوں کو اپنا رکھا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغربی جدید تمدن اسلام کے اخلاقی ضوابط کو انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نکال باہر پھینکتا ہے یا یہ کہ بغیر کسی اختلاف کے دونوں ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟اور مغربی تمدن کے مقابلے میں اسلامی تمدن کی بنیاد کیا ہے اور اسلامی تمدن کا وجود میں آنا کیسے ممکن ہے؟ ان سوالوں کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے لفظِ تمدن کی وضاحت کردیں۔

تمدن

لفظ تمدن (Civilization) انگریزی زبان میں لاطینی لغت کے کلمہ (Civis) سے لیاگیا ہے جس کا معنی کسی بھی شہر کا شہری ہونا ہے۔ ماضی میں وہ لوگ جو صحرا میں زندگی بسر کرتے تھے ان کی نسبت وہ لوگ جو شہر میں رہتے تھے ان کو متمدن سمجھا جاتا تھا اور اِنہی شہر کے لوگوں کے لئے لفظ (Civis) استعمال کیا جاتا تھا کہ وہ ترقی اور پیشرفت کے حامل ہوتے ہیں۔[1] یونانی لوگ لفظ (Civilization) کو شہر میں مختلف اداروں کے مجموعے اور لوگوں کے آپس میں اجتماعی روابط کے لئے استعمال کرتے تھے۔[2] عربی زبان میں لفظ تمدن "مدن" سے اخذ کیا گیا ہے جس کا معنی کسی شہر میں زندگی گزارنا ہے اور موجودہ زمانے میں انگریزی لفظ (Civilization) پر بھی کلمہ "مدن" کا اطلاق ہوتا ہے۔[3] بعض لفظ "مدن" کو عبری اور سریانی لفظ جانتے ہیں اور لفظ "مدین" اور "مدینہ" کو مادہ "دین" کے مشتقات میں سے سمجھتے ہیں جس کے معنی مقررات و قوانین کو خضوع و خشوع سے قبول کرنا

ہے۔[4] علامہ تقی جعفری انسانوں کے درمیان باہمی روابط، ہم آہنگی اور برقرائی نظم کو تمدن کہتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں اس معاشرہ کے لوگ جو ایک دوسرے کے مفادات کے خلاف ہوں، تمدن ان کو اکٹھا کرتا ہے تاکہ تمام لوگ پیشرفت شدہ حالات کے مطابق زندگی بسر کریں اور تمدن ہی معاشرے کے اندر موجود تمام صلاحیتوں کو سامنے لے کر آتا ہے۔[5] تمدن کی کوئی متفقہ تعریف نہیں ہے بلکہ مختلف مفکرین نے اس لفظ کو مختلف معنوں میں برتا ہے۔ جب ہم تمدنِ اسلامی کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد معاشرے کے سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی پہلو ہیں جو کہ ایک فرد سے لے کر معاشرے تک کو اپنے سائے میں لے لیتے ہیں۔[6] مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمدن ایک ایسے اجتماعی نظم کا نام ہے کہ جس کے نتیجے میں انسان کی ثقافت کی نسبت تخلیقی صلاحیت امکان پذیر ہوتی ہے۔ تمدن کو چار مندرجہ ذیل بنیادی ارکان میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اقتصادی میدان میں پیش گوئی و احتیاط، سیاسی ادارے، اخلاقی روایات، علم و ہنر کے پھیلانے کے لئے کوشش۔[7]

تمدن اسلامی، تمدن دینی ہے جس کے تمام کلیدی عناصر اسلام سے لئے گئے ہوں اور اس کی تمام خصوصیات کا محور و مرکز قرآن و سنت پیامبر اکرم ﷺ قرار پائے۔ اسلامی تمدن کے کلیدی عناصر میں دین، اخلاق، علم، عدالت، قوانین و مقررات، اصولِ دینی، اقتصاد وغیرہ شامل ہیں۔

1۔ علم کے بارے اسلامی و غیر اسلامی دیدگاہ

اسلامی تمدن کے راستے کا چراغ علم ہے اور اسلامی تمدن کے تحقق کی علامت علمی جہاد ہے۔ امام خمینیؒ کی نظر میں "اسلامی تمدن کے ارکان میں سے ایک رکن وہ علم ہے جو الٰہی بنیاد پر وجود میں آئے اور اسی طرح علم کے ساتھ اس پر عمل بھی لازم ہے کہ جیسے علم و عمل انسان کے دو پر ہیں جس کے ذریعے انسان پرواز کرکے خود کو مقامِ انسانیت تک پہنچاتا ہے لہٰذا تنہا علم کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ مُضر ثابت ہوتا ہے اور بغیر علم کے عمل بھی بے نتیجہ ہے"[8] امام خمینی کے آثار میں اس کی بہت تاکید ہوئی ہے کہ ممکن ہے کہ انسان علم و برہان رکھتا ہو لیکن کفر و شرک کے مرتبے پہ بھی باقی رہے۔[9] یعنی اگر علم کی بنیاد غیر توحیدی ہو تو پھر بھی وہ ممکن ہے کوئی بڑی کامیابی حاصل کرلے لیکن از لحاظ معنوی وہ پست و ذلیل ہی رہے گا۔

اِس وقت دنیا کے اندر دو بڑے اُفق اپنے اپنے علوم کی ترویج کے لئے اپنے پورے پورے وسائل کے ساتھ میدان میں موجود ہیں۔ جن میں ایک مغربی یا دوسرے لفظوں میں مادی و جدید (Modern) نکتہ نظر کی بنیاد پر انسانی و سماجی علوم کی تحقیق و پیشرفت میں مشغول ہے (جس کی ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے) اور دوسری طرف علوم و نظریات اور افکار کی اساس اسلام کو قرار دیا جاتا ہے۔ اِن دو متضاد بنیادوں پر علوم ہی اپنے اپنے معاشروں کو پروان چڑھا کر بالترتیب مغربی اور اسلامی تمدن کے تحقق کے خواہاں ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم تمدن اسلامی کی

طرف بڑھیں، قابل غور بات یہ ہے کہ جن علوم کی بنیاد پر ایک معاشرہ تمدن کی شکل اختیار کرتا ہے پہلے ان علوم کی بنیادوں کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا تمام علوم کی بنیادیں ایک جیسی ہیں؟ یا اگر بنیادیں مختلف ہیں تو اس کے نتیجے میں ہر دو معاشروں میں کیسا تمدن سامنے آئے گا؟ ہم چاہے اِس کو مانیں یا نہ مانیں کسی بھی انسان کے اعتقادات پر حملہ اُس انسان کے لئے قابل تحمل نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے اعتقادات جو بھی ہوں بلکہ یہ اعتقادات کے مشترکات ہی انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتے ہیں۔ یہ موضوع اُن موضوعات میں سے ہے کہ جس پر کئی دہائیوں سے یونیورسٹیوں کے محققین اور دینی علوم کے ماہرین اپنی اپنی تحقیق کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور یہ سوال ابھی تک زیرِ بحث ہے کہ کیا مغربی معاشرے کے وہ علوم جو انسانی تعلیم و تربیت اور معاشرہ سازی سے متعلق ہیں، ایک غیر مغربی معاشرے میں قابلِ استفادہ ہیں یا نہیں ہیں؟ اِس کے جواب میں تین مختلف نکتہ نظر کے حامل گروہ موجود ہیں۔

پہلا گروہ ایسے افراد کا ہے کہ جو اِس فکر کے قائل ہیں کہ علم دینی نہیں ہے اور یہ لوگ علم کو کسی جغرافیے یا کسی خاص ثقافت کا پابند نہیں جانتے ہیں بلکہ ایسے افراد کے مطابق انسانی و سماجی علوم مغربی یا غیر مغربی، دینی یا غیر دینی نہیں ہیں بلکہ وہ جہاں بھی حاصل کئے جائیں ہم اُنہیں انسانی و سماجی علوم ہی نام دیں گے۔ معاشرے کی اسلامی یا غیر اسلامی تقسیم بندی نہ کریں۔ علوم اسلامی یا غیر اسلامی نہیں ہیں اور اِس میں مشرقی یا مغربی افکار کا کوئی عنصر نہیں ہونا چاہیے۔ طبیعی طور پر ایسے مفکرین کے نظریات ان لوگوں سے متفاوت ہوں گے جو دینی علوم کے نظریات کے حامل ہیں۔

دوسرا گروہ ایسے افراد کا ہے جو اِس بات کے قائل ہیں کہ مغربی معاشرے کے تمام علوم اور ان کی بنیادیں غلط نہیں ہیں بلکہ ہم مغربی دنیا کی مفید اور علمی پیشرفت سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اُن کے وہ افکار جن کے اثرات مُضر ہیں، اُن سے اجتناب کیا جائے۔ یعنی اِن کے نزدیک مغرب کے اچھے اور برے افکار موجود ہیں لہٰذا اہلِ مغرب کے اچھے افکار کی پیروی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تیسرا گروہ ایسے افراد کا ہے کہ جو مغرب کے تمام افکار کو غیر الٰہی و غیر توحیدی نظریات کا محصول سمجھتے ہیں اور یہ اِس بات کے قائل ہیں کہ معاشرے کے اندر اسلامی افکار و نظریات کی بنیاد پر ہی ترقی و پیشرفت ہونی چاہیے۔ یعنی انسانی علوم، سیاسی علوم، تاریخ، جغرافیا، اقتصاد، ادبیات، فلسفہ، ہنر، تجارت وغیرہ ۔۔۔ یہ سب اسلامی افکار کی روشنی میں بیان ہوں گے تو پھر معاشرہ اسلامی تمدن سازی کے طرف بڑھے گا۔

2۔ قرآن و اہلبیتؑ کے فرامین کی روشنی میں علم کی بنیاد

ہم اپنی بات کا آغاز قرآن و اہلبیتؑ کی روایات کی روشنی میں پہلے گروہ کے نکتہ نظر سے کرتے ہیں کہ جو اِس بات کے قائل ہیں کہ وہ علم جو مغربی معاشرے میں ایک مغربی فکر کے حامل استاد سے حاصل کیا جائے اور وہ علم جو ایک موحد و توحید پرست استاد سے حاصل کیا جائے، اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اِن کے اِس نکتہ نظر سے تھوڑی چشم پوشی کرتے ہوئے ممکن ہے کہ ہم فنی علوم کے بارے اِن کے اِس استدلال کو وقتی طور پر قبول کر لیں لیکن انسانی و سماجی علوم جن کی روشنی میں معاشرہ سازی انجام پائے، اُس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

سورہ نساء کی آیت نمبر 141 میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ (وَلَن یَجعَلَ اللّٰہُ لِلکافِرینَ علی المُؤمنینَ سَبِیلاً) کہ خدا ہرگز کافروں کو مومنوں کے اوپر راہِ تسلط نہیں دے گا۔ یہ آیت جو کہ نفی سبیل کے نام سے بھی مشہور ہے، عملی طور پر مومنین کو شدت کے ساتھ کفار کے تسلط سے نفی کا درس دے رہی ہے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ طباطبائی کے نزدیک یہ آیت (نفی سبیل) کسی خاص زمانے تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ تفسیر المیزان میں اس آیت کے ایک خاص زمانے تک محدود نہ ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں "یہ کہ جو خدا نے اِس آیت میں فرمایا ہے کہ خدا کفار کو مومنین پر مسلط نہیں ہونے دے گا اِس کا معنی یہ ہے کہ یہ حکم آیت کے نازل ہونے سے لے کر مومنین کے نفع اور کفار کے خلاف ہے اور تا ابد اِسی طرح رہے گا" [10]

امام خمینیؒ اپنی کتاب "البیع" میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ آیت (نفی سبیل) سیاسی تسلط کے عنوان سے ہو لیکن یہ آیت مسلمین کا کفار کے ہر حوالے سے تسلط سے نجات حاصل کرنے کی دلالت بھی کرتی ہے۔[11]

اِس آیت کے مقدمے کی روشنی میں کہ جب انسانی و اجتماعی علوم مغرب زدہ ہو چکے ہیں اور اہلِ مغرب یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے پر ثقافتی، علمی، اور سماجی لحاظ سے غلبہ حاصل کریں تو فقہی اعتبار سے بھی اِس تسلط سے اجتناب واجب ہے البتہ لوگوں کی طرف سے عدم اجتناب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مبانی الٰہی و توحیدی کی جگہ مغربی علوم کو اِس طرح جا گزین کر دیا گیا ہے کہ اُسی کو درست سمجھ بیٹھے ہیں۔

اہلبیتؑ کی روایات کی روشنی میں بھی معاشرے کے مستقبل کے لئے علم صحیح اور علم غیر صحیح کی تقسیم بندی موجود ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں (شَرِّقاً و غَرِّباً فَلا تَجِدان عِلماً صَحِیحاً اِلّا شَیئاً خَرَجَ مِن عِندنا اَهلَ البَیت) مشرق چلے جاؤ، مغرب چلے جاؤ، صحیح علم کو حاصل نہیں کر سکو گے مگر یہ کہ ہم اہلبیت سے صادر ہوا ہو" [12]

اِس روایت کے مطابق انسان اور اس کی اجتماعی زندگی و آخرت سے متعلق جتنے علوم و موضوعات ہیں وہ اس وقت درست ہوں گے جب اُس کا مآخذ کلام اہلبیتؑ ہو۔ لہٰذا یہ روایت بھی پہلا نکتہ نظر رکھنے والے گروہ کے مخالف

ہے۔ اگر ہم انسانی علوم کو اسلام کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اسلام زندگی کے عمیق ترین معاملات سے لے کر عام معاملات تک ایک معنوی نگاہ کا حامل ہے جیسے کہ ایک مہمان اور ہمسائے کے حقوق کو بھی خدا پر اپنے ایمان کا حصہ اور روزِ جزا سے مربوط سمجھتا ہے۔

دوسرا گروہ جس کا یہ نکتہ نظر ہے کہ مغرب کے بعض علوم یا ان کی ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہاں ان کے جواب میں ایک بہت ہی ظریف نکتہ بیان کرنا چاہوں گا کہ مغربی افکار کی بنیاد کے مطابق وہ علم کو اپنی سیاست و جنگ کی خاطر ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں (جس کی ہم ابھی تفصیلی وضاحت کریں گے) جبکہ دوسری طرف اسلامی محققین و مفکرین کے نزدیک علم کو ایک مستقل حیثیت حاصل ہے اور اس کا مقام سیاست اور جنگ سے بالاتر ہے بلکہ سیاست اور جنگ علم کے زیرِ سایہ آگے بڑھنے چاہییں نہ یہ کہ علوم کو سیاست و جنگ کی خاطر ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔

3۔ جدیدیت (Modernism)

مغربی علوم کے زیر سایہ تمدن کی بنیادوں کو مختلف پہلوؤں سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ مغربی علوم کی بنیاد کا ایک پہلو جدیدیت (Modernism) ہے جس کے خاص اجتماعی و ثقافتی پہلو ہیں۔ کلمہ ماڈرن (Modern) کے معنی جدید ہونے کے ہیں اور یہ لفظ لاطینی کلمہ (Modo) سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے (of today) یعنی ((آج)) یا ((امر بالفعل و حاضر)) اور سب اس کو قبول کرتے ہیں۔[13] اصطلاحی معنوں میں جدید ہونا ایک خاص مطلب رکھتا ہے۔ از لحاظ تاریخی جدیدیت ایک تازہ معاملہ ہے اور ثانیاً ہر وہ چیز کہ جس کی بنیاد دین و قدیم معاشرتی روایات ہوں، اس کا جدیدیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جدیدیت وحی کے مقابلے میں عقل کو ترجیح دینے کا نام ہے لہٰذا اس دلیل کے ساتھ جدیدیت کے نظریے میں تمام قدیمی آداب و دینی و معاشرتی رسومات کو جادو و خرافات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دورِ جدید کے آغاز کے بارے محققین کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ بعض پندرہویں صدی کو دورِ جدید کا آغاز سمجھتے ہیں[14] بعض تین یا چار صدیاں پہلے سے دورِ جدید کے آغاز کو مانتے ہیں۔[15] بعضی دوسرے محققین و مفکرین گالیلہ کے زمانے کو دورِ جدید کا آغاز سمجھتے ہیں۔[16]، [17] یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغربی محققین کے نزدیک نظریہ جدیدیت قرون وسطی کے زمانے پر کیوں صادق نہیں آتا ہے؟ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں اس کا جواب یہ ہو کہ قرون وسطی جو کہ تقریباً دس صدیوں پر محیط ہے[18] اس دوران نئے نظریات یا افکار سامنے نہ آئے ہوں اور تمام مفکرین گذشتہ مفکرین کے مقلد تھے لہٰذا اس خاصیت کے ساتھ قرون وسطی پر دورِ جدید کا اطلاق نہیں ہوتا ہے لیکن یہ واضح ہے کہ ایسا جواب بہت سطحی ہے اور دوسری طرف اس بات کو ماننا بھی تھوڑا مشکل ہے کہ دس صدیوں پر مشتمل ایک طویل عرصے میں یورپ کی

مختلف ملکوں پر محیط آبادی میں ایک بھی نیا نظریہ سامنے نہ آیا ہو، جبکہ تاریخی شواہد مندرجہ بالا مطلب کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ساتویں صدی میں اسلام کا ظہور ہوا کہ جس نے اسلامی تمدن کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس طرح یورپ میں نفوذ کیا کہ وہاں کے لوگ اسے تمدنِ اسلامی کے نام سے یاد کرنے لگے۔ یہ تو واضح ہے کہ یہ اسلامی تمدن کاملا جدید اور مسیحیت و یہودیت کے افکار سے جدا تھا تو اس لحاظ سے یہ سوال مغربی مفکرین کے لئے ایک چیلنج کے طور پر سامنے آتا ہے کہ آخر کیوں قرون وسطی میں اسلامی تمدن کے آغاز پر دورِ جدید کا اطلاق نہیں ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں مغربی مفکرین نے ہمارے لئے اور آسانی پیدا کر دی ہے کہ ان کے مطابق ہر نیا نظریہ و فکر جدیدیت نہیں ہے بلکہ جدیدیت ایک ایسا نظریہ ہے جس کی کچھ خاص خصوصیات ہیں اور وہ ہر قسم کی دینی قیود سے آزاد ہے۔ ایک دینی انسان کہ جس کا ایک طرف تو اس کے خدا سے رابطہ ہے اور دوسری طرف قیامت اور روزِ سزا و جزا پر ایمان ہے، اس کے برعکس ایک غیر دینی و ماڈرن انسان نے ایک طرف اپنا رابطہ اپنے آغاز سے منقطع کر دیا ہے اور دوسری طرف قیامت پر ایمان کو حذف کر دیا ہے اور اس کے نزدیک موجودہ مادی دنیا اور زندگی ہی درحقیقت انسان کا ہدف ہے۔ نتیجے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر نظریہ و فکر ماڈرن نہیں ہوتی ہے بلکہ جو بھی نظریات و افکار دین کے تحتِ تاثیر ہوں چاہے وہ نئے ہی کیوں نہ ہوں، جدید نہیں ہوں گے بلکہ غیر جدید تصور کئے جائیں گے لیکن اگر آپ انسان و عالم مادہ کو محور و مرکز قرار دیں اور ہر قسم کی دینی و غیر دینی مرجعیت کی نفی کریں اور تنہا عقل یا حسِ بشر کو وسیلہ بنائیں تو وہ جدید فکر تصور کی جائے گی بے شک وہ گذشتہ زمانے میں بھی موجود رہی ہو۔ مثال کے طور پر ماڈرن و جدید معاشرے میں ہم جنس پرستی آج کل بہت مقبول ہے اور اس کا جدیدیت کے ساتھ کوئی تضاد بھی نہیں ہے لیکن یہ وہ عمل و کردار ہے جسے کے بارے قرآن کریم چند ہزار سال پہلے قوم لوطؑ کی طرف نسبت دیتا ہے۔ (29:28-35)

4۔ سائنسی علوم یا علوم تجربی

ایک اور پہلو جو کہ مغربی تمدن میں اساسی اہمیت رکھتا ہے وہ جدید معاشرے میں سائنسی علوم ہیں جس کے ذریعے جدید انسان جہان بینی اور ہستی شناسی کو صرف اور صرف عالم مادہ میں محدود کر دے اور سوائے مادی زندگی کے کوئی اور ہدف یا مقصد نہ رکھتا ہو۔ مغربی دنیا میں دوسری جنگ عظیم کے بعد بعض محققین نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا علم و ٹیکنالوجی، سیاست اور فوجی طاقت کی رشد و ترقی کے لئے استعمال ہونے چاہییں؟ یہی سوال سبب بنا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے استاد روٹن (Ruttan, V.W, 2006) نے اِس بارے کتاب لکھی۔[19] خود مغرب نے انسانی و سماجی علوم کو اپنے رقیب یا مخالف ملکوں کے خلاف استعمال کیا ہے جس کا مشاہدہ ہم پچاس کی دہائی میں سرد جنگ کے مطالعے سے کر سکتے ہیں۔

ایک مشہور مغربی اسکالر پیٹر۔ایف ڈرکر (Drucker, P.F 1986) جس کو جدید مینجمنٹ کا بانی کہا جاتا ہے، نے اپنی کتاب میں مغربی مادی نگاہ کو خود اِس طرح بیان کیا ہے کہ "جس حد تک جدید یونیورسٹی کی تاریخ کو میں جانتا ہوں، ایک جرمنی کے سفارت کار اور ولیم وون ہمبولٹ (Wilhelm von Humboldt) نے مل کر 1809 کے اندر برلن میں ہمبولٹ برلن یونیورسٹی کا قیام کیا جس کے دو ہدف قرار پائے، ایک یہ کہ فرانس سے علمی و فکری رہبری کو لے کر جرمنی کو دینا اور دوسرا یہ کہ فرانس کے مثبت پہلوؤں کو حاصل کرکے خود اُنہی کے خلاف استعمال کرنا، پھر پیٹر۔ایف ڈرکر نے مزید لکھا ہے کہ "اِس یونیورسٹی کی تاسیس کے ساٹھ سال بعد 1870 میں جب جرمنی کی یہ یونیورسٹی اپنے عروج پر تھی تو اُس وقت ہمبولٹ کے یہ افکار بالخصوص ایک تغییری عامل کے طور پر امریکہ کی یونیورسٹیوں میں مقبول ہوگئے" [20]

مغربی دنیا میں انسانی علوم اور معاشرہ سازی کی بہت سے بحثیں ایسی ہیں کہ جن کی بنیاد مادیت اور سیکولرزم پر استوار ہے۔ مغرب میں سیکولرزم کی اصطلاح پہلی دفعہ سولہویں صدی کے آخر میں استعمال کی گئی اور اس سے مراد یہ تھی کہ وہ ادارے اور ریاستیں جو کلیسا کے ماتحت تھیں وہ اس کے بعد کلیسا کی حاکمیت سے خارج ہوں گی اور حکومت غیر روحانی یا غیر مذہبی ہوگی۔ لیکن عصر حاضر میں سیکولرزم کی اصطلاح دین و سیاست کی جدائی کے معنی میں استعمال ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و جدیدیت کی بنیاد آزادی مطلق کے معنی میں بھی ہے۔ سیکولرزم انسان کو حیوان بنا کر اُس کی معنوی حیثیت کی تردید کرتی ہے۔ ہم تاریخی شواہد کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں مغربی علوم کی بنیاد سیکولر ہے اور بعض مغربی نظریہ پردازوں نے اِس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک روشنفکر یہودی محقق ہنا آرنڈ نٹ (Hannah Arendt) نے اپنے مضامین کے مجموعے میں یہ لکھا ہے کہ "موجودہ انسانی و سماجی علوم فلسفہ شکاکیت [21] کی بنیاد پر سیکولر معاشرے کا ماحصل ہیں اور اِن علوم میں پیشرفت دین سے جدائی کے ذریعے ہی ممکن ہے جس طرح مغرب نے اپنے مذہبی راہنما کو حکومت و سیاست سے جدا کر دیا ہے تو اِسی طرح تمام دنیا اگر علمی ترقی کرنا چاہتی ہے تو وہ دین و مذہب کو حکومت و سیاست سے جدا کرے" [22]

ہنا آرنڈ نٹ (1975-1906) کا شمار بیسویں صدی کی یہودیوں کی برجستہ شخصیات میں ہوتا ہے اور اِس نے دوسری جنگ عظیم میں پہلی دفعہ امریکہ کے لئے جاسوسی کرنے والا ایک دفتر تشکیل دیا، جس نے اپنی کامیاب کارکردگی کے بعد امریکی خفیہ ایجنسی سی۔آئی۔اے کے لئے زمینہ ہموار کیا۔

انگلینڈ کے ایک محقق ساانڈرز (Saunders) نے اپنی کتاب میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ امریکی خفیہ ایجنسی سی۔آئی۔اے نے مندرجہ ذیل انسانی و سماجی علوم کے مجلّوں کو مختلف فلاحی اداروں کے ذریعے بھاری رقوم بھجوا کر دوسری جنگ عظیم کے بعد رائے عامہ کو اپنے موقف کے حق میں ہموار کرنے کے لئے استعمال کیا کیونکہ یہ مجلے

ان ممالک کے عوام پر تاثیر رکھنے والے مجلے سمجھے جاتے تھے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جن انسانی علوم کے مجلّوں کا استعمال کیا اُن میں امریکہ کا مجلّہ (Partisan Review)، انگلینڈ کا (Encounter)، فرانس کا (DerMonat)، اٹلی کا (Tempo Presente)، جنوبی امریکہ کا (Cuardernos)، آسٹریلیا کا (Quadrant) اور انڈیا کا (Quest) مجلّہ شامل ہے۔ اور جن فلاحی اداروں اور این۔جی۔اوز کے ذریعے مذکورہ مجلّوں کے مدیروں کو پیسے دیئے گئے اُن میں (Rockefeller foundation America)، (Fordfoundation America)، (Hoblitzelle foundation)، (FlorenceGould foundation) شامل ہیں۔[23]

اِسی طرح معروف محقق گِڈنز (Anthony Giddens) بھی جدید معاشرہ سازی کے تمام علوم کو سیکولر تعبیر کرتا ہے اور اِس نے جدید معاشرہ سازی کے اوپر کم و بیش چونتیس کتابیں لکھی ہیں۔

ایک اور مغربی محقق وینڈل بل (Wendell bell) نے بھی اپنی کتابوں میں یونیورسٹیوں کے علوم اور معاشرہ سازی اور اس کی شناخت کے علوم کی بنیاد سیکولرزم اور مادیت کو قرار دیا ہے۔

5۔ مغرب کی تقلید کے نقصانات

یہ حقیقت ہے کہ وسیع سطح پر پھیلا دیئے جانے والے یہ مغربی سماجی و انسانی علوم کے نظریات عوام و خواص حتی حکمرانوں کے ذہنوں پر بھی اثر انداز ہو رہے ہیں جبکہ اِن نظریات کی بنیاد و اساس غیر توحیدی و غیر الٰہی ہے اور اِس طرح غیر محسوس طریقے سے ہمارا معاشرہ غیر اسلامی معاشرے کے مشابہ ہوتا جا رہا ہے جس کا مظاہرہ ہم سب کر رہے ہیں۔ فارسی کا مقولہ ہے "عیاں را چہ بیاں" کہ جو چیز نظر آ رہی ہو تو اُس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ آج کی تعلیم آج ہی نتیجہ دے رہی ہے۔ ہمارے معاشرے کے حالات ہماری تعلیم کے ناقص ہونے کا ثبوت ہیں۔ ایک بڑی مشکل جس کا ہمیں اپنی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں سامنا ہے وہ مغربی مفکرین کی کتابیں ہیں جن کو ہم نے ترجمہ کرکے اپنے طالبعلموں کے ہاتھوں میں مقدس صحیفہ بنا کر تھما دی ہیں اور اس سے بڑھ کر دلچسپ بات یہ ہے وہ مغربی افکار جو پرانے یا منسوخ ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے افکار پیش کر دیئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ انہی پچاس سالہ پرانے نظریات و افکار کو ہی مقدس متن سمجھ کر پڑھاتے رہتے ہیں ایسے افراد کے دو عیب ہیں ایک یہ کہ وہ مغرب کے مقلد ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ جدید افکار اور ہونے والی تبدیلیوں سے بے خبر ہیں جبکہ ہمیں چاہئے کہ ہم مغربی افکار پر نقد کی جرات اور صلاحیت پیدا کرکے ایسے افکار پیش کریں جن کی اساس الٰہی ہو۔ یہ وہ سازشیں ہیں جن کو کئی سو سال پہلے تیار کیا گیا تھا، یہ وہ منصوبے ہیں جو ہمارے کالجوں، یونیورسٹیوں، تعلیمی اداروں حتی دینی مدارس کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ اِس وقت عوام کو چھوڑیے پڑھا لکھا طبقہ خواہ وہ یونیورسٹی کا فارغ تحصیل ہو یا یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا طبقہ ہو، خواہ وہ جدید تعلیم یافتہ ہوں یا قدیم تعلیم یافتہ

ہوں، اِس قدر مغرب سے مرعوب ہیں کہ گویا دنیا میں نجات دہندہ سلیبس مغرب کا ہی ہے۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے بنام آزادی لکھی گئی اپنی ایک غزل میں دو شعر کہے تھے:

جو خود غلام ہیں مغرب کی درسگاہوں کے
پڑھا رہے ہیں ہمیں وہ نظامِ آزادی

ستم تو یہ ہے کہ اہلِ حکم بھی سال ہا سال
منا رہے ہیں غلامی بنامِ آزادی

آپ نے شہر ٹرائے (موجودہ ترکی کا ایک شہر جو آجکل اناٹولیا کے نام سے جانا جاتا ہے) میں گھوڑوں کی داستان تو لازمی سن رکھی ہو گی۔ ٹرائے شمال مغربی ایشیا کا ایک قدیم شہر تھا کہ 1871 میں آثار قدیمہ کے جرمن ماہر ہیزخ شیلی مان نے ترکی کے علاقے ہسارلک میں اس کے آثار دریافت کئے جس میں یکے بعد دیگرے مختلف زمانوں میں وہاں آباد ہونے والی بستیوں کے آثار بھی شامل تھے ساتویں بستی (فری جین) تھی جسے ٹرائے کی روایتی جنگ میں یونانیوں نے فتح کیا تھا۔ یونانی چاہتے تھے کہ اِس شکست ناپذیر قلعے کو فتح کریں اور ایک مدت تک اس قلعے کے لوگوں سے حالت جنگ میں رہے۔ ایک رات کہ جب قلعے کے لوگ سو رہے تھے تو گھوڑوں پر سوار یونانی فوج قلعے میں وارد ہو گئی اور اس نفوذ ناپذیر قلعے کو ان کی خواب آلودگی کی وجہ سے فتح کر لیا۔ عین اسی طرح مغربی علوم کے ماہرین نے ہمارے معاشرے میں وارد ہو کر ہماری خواب آلودگی سے فائدہ اٹھایا ہے اور جس معاشرے کو اسلامی علوم کی بنیاد پر پروان چڑھنا چاہیے تھا آج وہاں غیر الٰہی علوم رائج ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کو خود باور ہونا چاہئے تھا لیکن ہمارا معاشرہ خود باختہ نظر آتا ہے، جن جوانوں کو عدالت خواہی، محنت اور سخت کوشی کے اوصاف سے متصف ہونا چاہئے تھا آج وہ جوان طاؤس و رباب کی لذتوں میں اسیر نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ ہمارے ہاں رائج علوم کی بنیادیں ہی مادیت پہ مبنی ہے لہٰذا نتائج بھی ایسے ہی سامنے آئیں گے۔ یہاں میر تقی میر کا شعر یاد آ رہا ہے:

مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہے
بہت ڈرتا ہوں میں اے میر تیری دیر خوابی سے

6۔ اسلامی تمدن کے مراحل

جب تک ہم انسانی علوم کی بنیاد میں تبدیلی لے کر نہیں آئیں گے تب تک ہم اسلامی تمدن کے تحقق کی امید نہیں رکھ سکتے ہیں۔ تاریخ بشریت ہمیشہ حق و باطل کے محاذ پہ موجود رہی ہے اور ہم مغربی علوم کے نتیجے میں قائم

ہونے والے تمدن کو باطل محاذ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اجتماعی زندگی سے دین کو حذف کرکے انسانیت کو تسخیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ ناکام رہے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جس کی بنیاد مادیت پر ہو اُس معاشرے کے علوم بھی مادی لذتوں کے حصول کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور معنوی و اخلاقی انحطاط مغربی معاشرے میں اتنا تیزی سے آگے بڑھا کہ اُن کے اقتصاد، ثقافت، سیاست اور اجتماعی و انفرادی زندگی پہ غالب آگیا ہے۔

دوسری طرف توحیدی و الٰہی نظریات کی بنیاد پر علوم کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو روحِ انسان کی گہرائی کی صفاتِ حمیدہ سے مُتصف، ظلم و عدالت کی ستیزہ گاہ اور انفرادی و اجتماعی معنویت کو عبور کرکے سعادتِ بشر کی صورت میں اسلامی تمدن کی اساس ثابت ہوتا ہے۔ امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ اِس بارے فرماتے ہیں کہ: "مغرب کی بُری ثقافت سے باہر نکلنا اور اُس کی جگہ ہر میدان میں اسلامی ثقافت کو رائج کرنا ایک ایسی کوشش ہے جس کے تحقق کے لئے بہت لمبے عرصے تک محنت و زحمت کرکے مغربی نفوذ اور ان کی جڑوں کے خلاف مبارزہ کیا گیا ہے"[24]

اسلامی تمدن کے تحقق تک پہنچنے کے لئے ایک معاشرے کو مختلف مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسلامی تمدن تک پہنچنے کا پہلا مرحلہ ایک ایسا انقلاب ہے کہ جو الہامی استعداد سے اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کرکے اسلام کو بطور نظامِ حیات پیش کرے۔

اس کے بعد کا مرحلہ اسلامی حکومت کے نفاذ کے ذریعے اسلامی معاشرے کا قیام ہے جس میں تمام ترشعبے اسلامی علوم کی روشنی میں نافذ العمل ہوں مثال کے طور پر اگر ہم اسلامی معاشرے کے بانی و موٴسس کے زمانے پر ایک اجمالی نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کے معاشرے کے اجرائی و اداری نظام کے سربراہ خود رسول خداﷺ تھے، آپ ابلاغ و وحی، بیان و تفسیر، عقائد و احکام کے ساتھ ساتھ اسلامی احکامات کے اجراء اور اسلامی نظام کی برقراری کے لئے بھی پوری پوری سعی کرتے تھے تاکہ ایک اسلامی حکومت کا وجود عمل میں آئے مثلاً اس زمانے میں صرف قانون جزا کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا اجرا بھی کرتے تھے، چور کا ہاتھ کاٹتے تھے، زانی پر حد جاری کرتے تھے، رسول خدا کی سنت اور رویہ اسلامی حکومت کے لازم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اول آپ نے خود حکومت بنائی اور قانون کا اجراء کیا، اسلامی نظام قائم کیا اور معاشرے کا باقاعدہ انتظام کیا، اطراف میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضیوں کا تقرر فرمایا، بادشاہوں اور قبائل کے پاس سفیر بھیجے، معاہدے اور پیمان باندھے، جنگ کی سربراہی کی، بیت المال کا نظام ترتیب دیا، مختصر یہ کہ تمام حکومتی احکامات کی انجام دہی فرمائی اور یہ تمام تر اقدامات اسلامی بنیادوں پر انجام پائے۔ لہٰذا جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو پھر اس کے بعد اسلامی معاشرہ قائم ہو گا جس کے نتیجے میں اسلامی تمدن وجود میں آئے گا۔

بعض روشنفکر مغربی مفکرین کے نزدیک اسلام کا ہدف حکومت ہے جبکہ ہمارے نزدیک اسلام کا ہدف حکومت نہیں ہے بلکہ حکومت اسلامی معاشرے اور تمدن کے تحقق کے لئے ایک وسیلہ ہے۔ جواچم واچ Joachim Wach ایک جرمنی کا معاشرتی و دینی علوم کا مشہور مفکر کہتا ہے کہ " جس طرح قرون وسطی میں میسیحیت کے اندر کلیسا اور حکومت کے درمیان جنگ کے بعد جدائی پیدا ہو گئی، اسلام میں ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اسلام ایک خاص سیاسی نظریے کا حامل ہے جو اس کے اپنے ساتھ مخصوص ہے " [25] ایک اور مغربی مفکر (Hamilton Gibb) ہمولٹن گب اپنی کتاب " اسلام ، یک بررسی تاریخی" میں کہتا ہے کہ " پیامبر اسلام کی نگاہ میں تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ایک دینی حکومت کو تشکیل ہے "۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بات یہاں تک درست ہے کہ اسلام کے بہت سے احکامات حکومت حاصل کئے بغیر تحقق پیدا نہیں کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے نظریات کے مطابق حکومت ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعے اسلامی معاشرے اور اسلامی تمدن کو قائم کرکے اجتماعی عدالت کا نفاذ کیا جاسکے۔ اسی لئے اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو اہلِ مغرب نے نہ صرف علوم کے میدان میں بہت زیادہ کام کیا ہے بلکہ سیاسی نفوذ کو بھی بہت زیادہ بڑھایا ہے تاکہ مسلمان حکومت حاصل نہ کرسکیں اور جہاں جہاں بھی آزادی و استقلال کی تحریکوں نے سر اٹھایا ہے یا کامیاب ہوئیں تو مغرب نے فوراً کوشش کی ہے کہ مسلمان کبھی بھی استقلال حاصل نہ کریں کیونکہ اس کے ذریعے یہ اپنے معاشرے کو اسلامی تمدن کی طرف لے جاسکتے ہیں۔ مثلاً الجزائر کا انقلاب ایران کے اسلامی انقلاب کی طرح بلکل اسلامی تھا جو کہ فرانس کی طرف سے وہاں غاصب حکومت کے خلاف مساجد، علماء دین، حوزہ علمیہ اور مدارس دینیہ سے شروع ہوا لیکن وہاں ایک دن کے لئے بھی دینی حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی، اُسی پہلے دن سے ہی فرانس نے الجزائر کے لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا اور اُس زمانے میں عرب ممالک اور شمالی افریقا کی تاریخ میں الجزائر " ایک ملین شہداء کی سرزمین " کے نام سے معروف ہو گیا لیکن فرانس نے وہاں اپنی ثقافت وعلوم کو زبردستی نافذ کیا یہاں تک کہ وہ اپنی زبان بھی بھولنے لگے۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے نقل کیا ہے کہ جب میں ایران کا صدر تھا تو الجزائر کے بزرگان میں سے ایک بڑی شخصیت مجھ سے ملنے کے لئے آئی۔ وہ میرے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ کوئی جملہ کہنا چاہ رہے تھے لیکن عربی کا لفظ ان کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا، اس کے باوجود کہ وہ اپنی زبان میں بات کر رہے تھے اور حکومتی ترجمان بھی رہ چکے تھے لیکن تھوڑی دیر سوچنے کے باوجود بھی ان کے ذہن میں لفظ نہ آیا اور پھر انہوں نے اپنے ساتھ موجود ایک اور شخص سے فرانسوی زبان میں پوچھا کہ فلاں لفظ کا عربی ترجمہ کیا ہو گا، اُس نے پھر ان کو بتایا تو اس کے بعد انہوں نے دوبارہ میرے ساتھ بات کو آگے بڑھایا۔ [29] یعنی انہوں نے نہ صرف دین بلکہ وہ اپنی زبان کہ جس کی اہمیت کے وہ بہت زیادہ قائل تھے اس کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے، اسلام کی تو وہاں

مطلقاً کوئی خبر نہ رہی۔ لہٰذا مغرب نے ہر میدان میں کوشش کی ہے کہ اسلامی تمدن کو پنپنے نہ دیا جائے۔ ایک زمانہ تھا کہ اہلِ مغرب نے مسلمانوں کے علم و دانش، تجربات اور فلسفہ سے استفادہ کیا اور اپنے تمدن کے لئے جہاں جہاں ضرورت پڑی اس کو استعمال کیا لیکن چونکہ بنیاد مادی تھی لہٰذا ہر قسم کے جائز و ناجائز وسیلے کو بروئے کار لائے۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں انہوں نے یہ کام شروع کیا اور اندرونی طور پر خود کو مضبوط کیا اور اپنے علم و دانش کی بنیاد پر مغربی تمدن ترتیب دیا اور اس تمدن کو بشریت پر حاکم کر دیا۔ یہ کام انہوں نے صرف چار یا پانچ صدیوں میں انجام دیا ہے اور صرف جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد پر لوگوں کی زندگیوں میں بظاہر آسانیاں پیدا کیں لیکن خوش بختی، عدالت، کرامت انسان، برابری کہیں نظر نہیں آئے گی۔ مغربی تمدن بظاہر بہت خوبصورت نظر آنے والا ہے لیکن اس کا باطن بشریت کے لئے خطرناک ہے اور آج پوری دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ بلکہ آج خود مغربی تمدن کے تضادات سامنے آ رہے ہیں، امریکہ ایک مختلف طریقے سے خود کو پیش کر رہا ہے، یورپ ایک الگ طریقے سے اور جو ممالک ان کے ماتحت حکومتیں چلا رہے ہیں وہ کسی اور طریقے سے سامنے آ رہے ہیں۔ اب یہ ذمہ داری ہم تک آ پہنچی ہے کہ ہم اسلامی تمدن کے لئے زمینہ ہموار کریں اور اسلام کو اس کے اصلی افق تک پہنچائیں۔ اوپر جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس میں مغربی تمدن پر سنجیدگی سے نقد ہونا چاہیے اور اسلامی تمدن کے قیام کے لئے جن جن میدانوں کا ذکر کیا گیا ہے بالخصوص انسانی و اجتماعی علوم کی بنیادوں کو اسلامی اساس پر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے یعنی علوم کو صرف حاصل نہ کریں بلکہ علم کی تولید بھی کریں اور آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ مختلف شخصیات، افراد، قومی و مذہبی مفکرین کی نگاہ اس میں کسی حد تک متفاوت ہو کہ کیسے اِس عمل کو انجام دیا جائے لیکن یہ تفاوت اِس موضوع کو سمجھنے میں کوئی مشکل ایجاد نہیں کرتا ہے۔

نتیجہ

اسلامی تمدن و مغربی تمدن کی بنیادوں میں اساسی فرق موجود ہیں جن میں سے پہلا فرق یہ ہے کہ اسلامی تفکر میں اللہ تعالی پر اعتقاد اور اس کو عالم ہستی کا خالق ماننا ہے اور عالم ہستی کا ربط و وابستگی خدا کی ذات سے اس طرح ہے کہ اگر ایک لحظے کے لئے بھی یہ ربط منقطع ہو جائے تو نظامِ جہان معدوم ہو جائے گا جبکہ تمدن غرب میں ہستی مادہ کے مساوی ہے اور یا تو خدا کا وجود نہیں اور اگر خدا موجود ہے بھی تو اس عالم میں کسی قسم کی دخالت نہیں کر سکتا ہے اور قیامت کے بطور کلی انکار کے ساتھ ساتھ انسان کو مادی زندگی کے اہداف تک محدود کرنا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلامی تمدن کے مطابق خدا مالکِ عالم ہے اور تمام مخلوقات کا اختیار خدا کے پاس ہے اور اپنی حکمت مطلقہ کے تحت تصرف کر سکتا ہے جبکہ انسان مملوکِ خدا ہے لہٰذا انسان کا علم محدود ہے اور خدا نے انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے تاکہ وہ انسان کی ہدایت کر سکیں۔ مغربی تمدن میں وہ خدا کے مالک ہونے کے معتقد

نہیں ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی اور اس کے مستقبل کا خود حاکم ہے اور انسان خود تشخیص دے کہ اسے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ دنیائے اسلام کو ایک ایسے تمدن کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے جو کہ سیکولر، غیر دینی یا ماڈرن مغربی تمدن نہ ہو بلکہ اس کی بنیاد اسلامی ہو۔

*****

حوالہ جات

1۔ محمد، سپہری، *تمدن اسلامی در عصر امویان*، (تہران: نور الثقلین، 1385ش) ندارد۔

2۔ فوزی، یحییٰ و صنم زادہ، محمود رضا، (1391)، «تمدن اسلامی از دیدگاہ امام خمینی (رہ)»، فصلنامہ علمی، پژوہشی تاریخ و فرہنگ تمدن اسلامی، ندارد، شمارہ 99 سال سوم (ندارد): ندارد۔

3۔ علی اکبر، ولایتی، *پویایی فرہنگ و تمدن اسلام و ایران*، ج 1، (تہران: وزارت امور خارجہ، 1384) ندارد۔

4۔ حسن، مصطفوی، *التحقیق فی کلمات القرآن*، (تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1360) ندارد۔

5۔ علامہ محمد تقی، جعفری، *فرہنگ پیرو، فرہنگ پیشرو*، ج 6 (تہران: انتشارات علمی و فرہنگی، 1373) ندارد۔

6۔ ندارد، ندارد، *درآمدی بر آزاداندیشی و نظریہ پردازی در علوم دینی*، ندارد، ندارد، ندارد، ندارد، (1383): ندارد۔

7۔ دورانت، ویل، تاریخ تمدن، احمد آرام و دیگران، تھران (ندارد: ندارد، 1373ش) ندارد۔

8۔ ندارد، ندارد، *صحیفہ امام خمینی رہ*، ج 8، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد) 268۔

9۔ سید عبد الغنی، اردبیلی، *تقریرات فلسفہ*، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام، 1381) ندارد۔

10۔ علامہ محمد حسین، طباطبائی، *تفسیر المیزان*، ج 5، (ندارد: ندارد، ندارد) 189۔

11۔ روح اللہ، خمینی، *کتاب البیع*، ج 2، (تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1388) 722۔

12۔ محمد بن یعقوب، الشیخ کلینی، *اصول کافی*، ج 2 (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، 1363) 251۔

13۔ CAhoone, Lawrence (1996) , From Modernism to postmodernism, P. 11 , U.S.A , Blackwell.

14۔ بابک، احمدی، مدرنیتہ و اندیشہ انتقادی (تہران: ندارد، 1373ش) 9۔

15۔ دان، کیوپیت، دریای ایمان، حسن کامشاد، طرح نو (تہران: ناشر، 1376ش) ندارد۔

16۔ خوسہ ارتگا، ای گاست، انسان و بحران، احمد تدین (تہران: شرکت انتشارات علمی و فرہنگی) ندارد۔

17۔ برتراند، راسل، تاریخ فلسفہ، غرب، نجف دریا بندری (تہران: کتاب پرواز، 1373ش) ندارد۔

18۔ برتراند، راسل، تاریخ فلسفہ، غرب، 1373ش ندارد۔

19. Ruttan, V. W. (2006). Is War Necessary for Economic Growth?; Military Procurement and Technology Development. Oxford University Press.

20. Drucker, P. F. (1986). Innovation and Entrepreneurship: Practice and Principles. Perfect Bound.

21۔ شکاکیت معاشرہ شناسی کے بارے ایک ایسی فلسفیانہ نظر ہے کہ جن کا دعوی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور تجربے کی بنیاد پر جو کرتا ہے وہی درست ہے اور سوائے عقل کے انسان کے پاس کوئی اور منبع نہیں ہے کہ جس کے ذریعے انسان کسی چیز کی شناخت کر سکے۔

22-Arendt, H. (1990). Religion and politics In Arend, H. (1990). In Arendt, H. (1990). Essays in understanding (1930-1954); Formation, exile, and totalitarianism (pp. 368-390). Schocken.

23- Saunders, F. S. (1999). The Cultural Cold War. UK: The New Press.

24۔ ندارد، صحیفہ امام خمینیؒ، ج19، (تہران: مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد)، 110

25. Wach, Joachim. (Sociology of religion).

کتابیات

1) سپہری، محمد، تمدن اسلامی در عصر امویان، تہران، نور الثقلین، 1385۔

2) فوزی، یحییٰ [یحییٰ فوزی]، صنم زادہ، محمود رضا [محمود رضا صنم زادہ]، تمدن اسلامی از دیدگاہ امام خمینیؒ، فصلنامہ علمی ـ پژوہشی تاریخ و فرہنگ تمدن اسلامی، 1391۔

3) ولایتی، علی اکبر، پویایی فرہنگ و تمدن اسلام و ایران، تہران، وزارت امور خارجہ، 1384۔

4) مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن، تہران، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، 1360۔

5) جعفری، علامہ محمد تقی، فرہنگ پیرو، فرہنگ پیشرو، تہران، انتشارات علمی و فرہنگی، 1373

6) ندارد، ندارد، درآمدی بر آزاد اندیشی و نظریہ پردازی در علوم دینی، ندارد، ندارد، ندارد، (1383): ندارد۔

7) ندارد، ندارد، صحیفہ امام خمینیؒ، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد ۔

8) اردبیلی، سید عبد الغنی، تقریرات فلسفہ، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام، 1381-

9) طباطبائی، علامہ محمد حسین، تفسیر المیزان، ج5، ندارد، ندارد، ندارد۔

10) خمینی، روح اللہ، کتاب البیع، تہران، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1388۔

11) الشیخ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1363۔

12) V. W. Ruttan, (2006). Is War Necessary for Economic Growth?; Military Procurement and Technology Development. Oxford University Press.

13) P. F. Drucker, (1986). Innovation and Entrepreneurship: Practice and Principles. Perfect Bound.

14) H. Arendt, (1990). Religion and politics In Arend, H. (1990). In Arendt, H. (1990). Essays in understanding (1930-1954); Formation, exile, and totalitarianism Schocken.

15) F. S. Saunders, (1999). The Cultural Cold War. UK: The New Press..

16) Joachim. Wach, (Sociology of religion).